بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

الحمد للہ کہ انتخابات کا بہت بڑا امتحانی مرحلہ بخیر گذر گیا۔ آراء، بحثوں، سیاسی شخصیتوں، نعروں اور پروپیگنڈے کا طوفان رنگ برنگے جھنڈوں کی لہریں اٹھاتا ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پوری قوم کو چھاتا، پھٹکتا آناً فاناً غائب ہو گیا۔ اس نے کچھ نتائج و اثرات باقی چھوڑے ہیں۔ جو سیاسی، معاشی اور تہذیبی لحاظ سے ہمارے قریبی مستقبل کی تراش خراش کریں گے۔

آج سمجھ میں آتا ہے کہ اگر ۱۹۸۵ء کے ریفرنڈم کے ذریعے نمائندہ ایوانوں کی تشکیل کا راستہ نہ کھلا ہوتا تو ہم آج بھی ابہام کے کہر میں ٹھوکریں کھا رہے ہوتے۔ کجا یہ صورت کہ ایک بار انتخابات ہو چکے، اسمبلیاں توڑی گئیں۔ مگر وفاقی ایوانِ بالا سلامت ہے، اور شہید صدر کے بعد نئے صدر کے زیرِ انتظام انتخابات ۱۹۸۸ء مکمل ہو چکے ہیں۔

جناب صدر اور الیکشن کمیشن کے حسنِ انتظام اور سیاسی لیڈروں اور پارٹیوں کی طرف سے ان کے ساتھ تعاون کا فیضان یہ ہوا کہ الیکشن کا سارا ہنگامۂ کشمکش کرکٹ کے کسی میچ کی طرح پُرامن اور پُرسکون حالات میں غیر جانب داری سے ہوا۔

مبارک ہیں وہ جنہوں نے دین و وطن کی خیر خواہی کے جذبۂ صادق کے ساتھ انتخابات میں جدوجہد کی، اور حامیوں اور مخالفوں کے سامنے گفتار، کردار، نظم اور سرگرمیٔ عمل کا نہایت مؤثر مظاہرہ بے لوثی سے کیا۔ ایسے وہ لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے شہریوں کی معتد بہ تعداد کے دلوں میں کوئی اچھا

اثر اپنی تحریک اور دینِ پاک کے حق میں پیدا کیا، بلکہ علمبردارانِ حق کی کارکردگی کا بہترین معیار یہ ہے کہ نہ صرف ان کے حلیف تحسین کریں بلکہ اُن کے حریف بھی اُن کے نظریہ و کردار کی بالاتری کو تسلیم اور محسوس کریں۔ یہاں تک کہ اگر کسی جیتنے والے "امیدوار" کے پاس ہم شکست کھا کر بھی جائیں تو وہ یہ سمجھ کر احترام کرے کہ اصل فاتح یہ ہیں۔

مبارک ہیں وہ جنہوں نے فتح و شکست سے صرفِ نظر کر کے محض خوشنودیٔ خدا اور بہبودیٔ خلق کے لیے پوری طرح سعی و جہد کی اور فی نفسہٖ اسی جدوجہد کو اپنا اعلیٰ ترمدعا و حاصل سمجھا، اور نتائج کا معاملہ خدائے حلیم و قدیر کے حوالے کر کے اس کے فیصلے پر قبلِ ظہور بھی راضی تھے اور ظہور کے بعد بھی یہ کہہ کر سرِ تسلیم خم کر دیا کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (بِيَدِكَ الْخَيْرُ)

ایسے لوگ انتخابی مقابلے میں اگر کسی سیٹ پر کامیاب ہوتے تو بھی اُن کے لیے فلاح ہے، اور ناکام ہوئے تو بھی اُن کو عند اللہ اصل سچی کامیابی حاصل ہے۔

البتہ اگر کسی نے انتخابی محنت سے اقتدار کے حصول اور کسی سیٹ یا سیٹوں کی کسی تعداد کو جیتنے اور حریف مقابل کو پچھاڑنے ہی کو اصل مقصود قرار دیا اور خدا کی عبودیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و طاعت اور کامرانیٔ عاقبت سے توجہ ہٹالی یا ان ضروریاتِ حقیقی کو ثانوی درجہ دیا تو وہ کامیاب ہو کر بھی ناکام رہا۔

دوسری طرف اصل ناکامی ان لوگوں کے لیے ہے جن کو سرے سے خدا کی رضا طلبی کا دھیان ہی نہیں، جنہیں دین کی سربلندی مطلوب ہی نہیں۔ (بلکہ اُلٹا دین کا خذلان پیشِ نظر ہے) جنہیں خلقِ خدا کا سچا محب اور خادم بن کر اُن کو مصائب سے نکالنا اور ان میں نیکیوں کو پھیلانا اور ماحول میں برائیوں کا قلع قمع کرنا درکار ہی نہیں، بخلاف اس کے جنہیں اپنے اور خاندان، برادری اور پارٹی کے لیے ناجائز مفاد کی ہوس ہے، جنہیں طاغوتی نظریات کا فروغ پسند ہے، جو شعائرِ اسلامی کو مٹانا، منکرات و فواحش کو پھیلانا، سلب و نہب کرنا، اور کینۂ دیرینہ کے تحت اقتدار کی قوت کو انتقامی جذبات کی تسکین کے لیے استعمال کرنا، اور پاکستان کے دشمنوں کی نگاہوں میں مقامِ اعتبار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

سوالیسوں کی انتخابی ناکامی تو ہے ہی ناکامی، ان کی کامیابی بھی بہت بڑی ناکامی ہے۔ انہیں

تھوڑی سی گھن گرج کے بعد دنیا میں چاروں طرف سے ناپسندیدگی کا سامنا کرنا ہوگا اور قیامت میں بھی وہ نہایت رسواکن عذاب سے دوچار ہوں گے۔

یہ وہ بڑی اور اصل دردناک ناکامی ہے جس سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا کرنی چاہیے۔ ایسی ناکامی سے بچنے کے لیے ظاہری اور عارضی ناکامیوں کے ہزار زخم سہ لینا بدرجہا مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو خاک نشین رکھ کر بڑی بلندیاں عطا کرتا ہے، دوسری طرف بعض متکبر، سرکش اور انسانیت کش قوتوں کو محض اس غرض سے بلند رو پہلی مسندوں پر بٹھا کر سنہرے تاج پہناتا ہے کہ تھوڑی سی مہلت کے بعد وہ ان کو ذلت آمیز دردناک سزا دے سکے۔ بوریے پر بیٹھنے والے گنہ گاروں کے لیے وہ سزا نہیں جیسے تقدیر کسی جفا گر کو تخت پر بٹھا کر نافذ کرتی ہے۔

تخت اور تختے کے درمیان بڑا تھوڑا فاصلہ ہے۔

سو ہدیۂ تبریک ان کے لیے جنہوں نے اصل اور سچی کامیابی حاصل کی، خواہ انتخابی معرکہ بھی ساتھ ہی جیت لیا ہو، خواہ اس میں شکست ہو گئی ہو۔

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پیپلز پارٹی جیت گئی، مگر حقیقت میں پیپلز پارٹی کے غبارے سے اس بری طرح ہوا نکلی ہے کہ وہ لوگ جو ملک اور اقتدار کو پیپلز پارٹی کی جاگیر اور اجارہ سمجھتے تھے، ان کے تصور کے بخلاف پیپلز پارٹی چند مختلف اقلیتی گروہوں میں سے ایک اقلیتی گروہ بن کر سامنے آئی جس کے لیے حکومت بنانا کچھ دوسرے لوگوں کو ساتھ ملانے یا خریدنے کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ اس موقع پر اکڑی ہوئی گردن کو جس بری طرح اپنے سے چھوٹے گروہوں یا افراد کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ وہ ایک عبرتناک حقیقت ہے۔ حکومت وہ بنا بھی لے (بلکہ بعض لوگوں کا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ بنانے دینا چاہیے) تو بھی وہ ایک ایسا کچا گھروندا ہوگی کہ ایک ایک قدم آگے بڑھانے کے لیے نہ صرف یہ کہ ساتھ ملائے ہوئے افراد کو راضی رکھنا ہوگا بلکہ ایوان کی بھاری اپوزیشن ہر چیز کو چھلنیوں میں چھانے گی اور چھاجوں میں پھٹکے گی۔ کہاں وہ بھٹو صاحب کی "ہمہ مقتدری" کا دور کہ جدھر چاہا خزانہ لٹا دیا، جس بنک سے چاہا، روپیہ نکلوا کر اپنے چہیتوں یا اخباروں کو دلوایا۔ فوجی عہدوں سے جتنے جرنیلوں کو اور سول مناصب سے اچھے اچھے افسروں کو بیک

جنبشِ ابرو نکال باہر کیا، جس کارخانے کو چاہا مزدوروں (اور پارٹی ورکروں) کے ہاتھوں لٹوا دیا، جسے چاہا قتل کرا دیا اور جسے چاہا "فکس اپ" کر دیا۔ اور کہاں یہ حکومت جسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔ کیونکہ حکومت سے باہر رہ کر جس منظر مانہ شان سے بھٹو صاحب کی بیوہ اور دختر ہر طرف سے ہمدردیاں سمیٹ رہی تھیں، وہ تخت پر قدم دھرنے کے بعد سب چھِن گئیں اور تنقید و تعریض کا دور شروع ہوگا۔ پریس اور پلیٹ فارم سے ہر حرکت پر تنقید ہوگی۔ اور دوسری طرف پیپلز پارٹی کی نسوانی لیڈرشپ، جن مغربی اطوار رقص و سرود کو رائج کرے گی اور خواتین کی بے محابا آزادی کے ساتھ منکرات و فواحش کے دروازے کھولے گی ـــــ یا ایسا کرنے کی کوشش اور خواہش اور پروپیگنڈا کرے گی ـــــ اس سے رائے عام جھرجھری لے گی۔ دوسری طرف اگر اسراف و تبذیر کا طوفان اٹھا اور لوگوں کے کاروبار اور املاک کو نقصان پہنچا اور انتقامی سیاست[1] چلی تو چند ہی دنوں بعد خلقِ خدا تراہ تراہ کر اٹھے گی۔

اگر انتہائی احتیاط اور دلجوئی سے کام نہ لیا گیا تو پھر ایسی کچی حکومت کا چلنا معلوم ـــ پھر دوسرا راستہ یہ ہوگا کہ پیپلز پارٹی اپوزیشن کی نشستوں پر بیٹھے۔ یہ ان خوابوں کی بدتعبیری کے بعد بڑا ہی کڑوا گھونٹ ہوگا جس کا تصور پیپلز پارٹی کے لیڈر یا کارکنوں کو کبھی ہوا ہی نہیں۔

سو یہ ہے وہ نقصانِ عظیم جو پیپلز پارٹی نے اٹھایا ہے اور اس کا ہمہ مقتدری کا وہ خواب پریشان ہوگیا ہے جس کے نشے میں وہ پاکستان کو اپنی سواری اور بار برداری کا ایک جانور سمجھتی تھی۔ اب یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ یہ جانور دولتیاں مار کر اوندھے منہ گرا بھی سکتا ہے۔

ذرا آگے چل کر مزید ایک انتخاب کا مرحلہ اگر آ گیا تو پارٹی اپنی اس حیثیت سے بھی جائے گی۔

---

[1] اس انتقامی سیاست کے زخموں کو نشۂ اقتدار سے بدمست عام ان پڑھ اور کارکنان کی وہ زیادتیاں اور زیادہ گہرا کردیں گی جن کا نشانہ ہزاروں شرفاء اور اختلاف کرنے والے لوگ بنیں گے۔

پیپلز پارٹی کی یہ ادھوری سی جیت بھی بہت سی قوتوں کی مشترکہ جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ بہت سی سازشیں اور ڈپلومیسیاں اور پروپیگنڈے اور نقود اس غرض کے لیے کام کرتے رہے ہیں کہ پیپلز پارٹی غلبہ پائے۔ اسی میں بھارت کا فائدہ ہے۔ جس کا اظہار اخبارات میں بھی اور بی بی سی سے بھارتی ایڈیٹروں کی کانفرنس میں بھی ہوگیا۔ بجاج صاحب کا خط پہلے سے سامنے آچکا تھا۔ برطانیہ، امریکہ، اسرائیل اور روس بعد بھارت یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں احیائے اسلام کا کام نہ ہوسکے۔ جس کو وہ اپنی خاص طور پر وضع کردہ مکروہ سی اصطلاح میں "بنیاد پرستی" کہتے ہیں۔ موجودہ دور کی تمام طاقتیں ماضی میں "پین اسلام ازم" اور "جہاد" اور "ملا" سے ڈرتی تھیں۔ اور پروپیگنڈہ کی لائن اسی خوف پر بنائی تھیں۔ اب وجہ خوف "بنیاد پرستی" بن گئی ہے۔ خصوصاً جب سے ایران کا انقلاب واقع ہوا، "مہذب دنیا" اور "ترقی یافتہ قومیں" سخت پریشان ہیں۔ انہیں فوری خطرہ یہ ہے کہ افغانستان میں اگر مکمل کامیابی مجاہدین کو حاصل ہوجاتی ہے تو بنیاد پرست اسلامی حکومت کا محشر برپا ہوجائے گا۔ بعد ازاں پاکستان میں بھی بنیاد پرستی سے جن جراثیم کو کافی دبا دیا گیا ہے وہ از سر نو زور کر اٹھیں گے۔ اور تینوں ملکوں کی اسلامی بنیاد پرستی باقی تمام مسلمان ممالک کو بھی مبتلائے "وحشت" کر کے (نعوذ باللہ) ہمارے لیے تباہ کن خطرہ بنا دے گی۔ اس کے لیے باہر سے جو کام ہو رہا ہے وہ تو ہے، انہیں اندر صرف دانشوری کے دائرے میں نہیں، بلکہ سیاسی اقتدار کے دائرے میں ایسی جارح قوت مطلوب رہی ہے جو ایک طرف جہادِ افغانستان کو آخری مقاصد کے حصول سے محروم کردے، جو پاکستان کو بھارت اور روس کی سرپرستی کے آسیبی سائے میں لے آئے اور جو احیائے اسلام کے پہلے کمزور رجحانات کو مزید کچل دے اور ایسے رنگین فتنے اٹھائے کہ ماحول اسلامی قدروں کے لیے ناسازگار ہوجائے۔

اس مہم کے لیے دامے، درمے، سخنے، قدمے پاکستان کے ہر مہربان نے خوب کام کیا اور پھر یہاں محاذ کار یوں ترتیب پایا۔

۱۔ پیپلز پارٹی ۲۔ تحریکِ نفاذِ فقہ جعفریہ اور دیگر شیعہ لیڈر دی پی کی قیادت شیعہ خاندان کے ہاتھ میں ہے) ۳۔ قادیانی (جس طرح بھی ثابت کرسکے) ۴۔ اسمٰعیلی گروہ۔ ۵۔ گریبان چاک، کوتاہ آستین اور بے چادر خواتین کا جدت مآب گروہ ۶۔ کمیونسٹ اور سوشلسٹ

۷ - ملاحدہ اور سیکولر اسلام کے قائل جو آزاد زندگیاں گذارنا چاہتے ہیں - ۸ - تمام وہ مالِ تجارت جیسے بڑی سے بڑی قیمت سے خریدا جا سکتا ہے - ۹ - ذرائع ابلاغ کا اسلامی جذبات کو دھندلانے کے لیے ایسی تصاویر، ایسے شو، ایسی تفریحی تحریریں، ایسی اختلافی بحثیں سامنے لانا کہ لوگ دینی اقدار سے بے تعلق ہوتے جائیں - ۱۰ - ضیاء الحق شہید کے وہ تمام مخالفین جو کسی معقول یا نامعقول وجہ سے ردِ عمل میں مبتلا ہو کر اس کی مخالف قوت کو انتقاماً ووٹ دینا چاہتے تھے - ۱۱ - سندھ میں علاقائیت پرستوں کا یک آہنگ محاذ - ۱۲ - تمام تفرقہ پسند گروہوں کا جہاں اپنا کوئی آدمی نہ تھا انہوں نے اسلامی اتحاد یا جماعتِ اسلامی کے مقابلے میں پیپلز پارٹی کا ساتھ دینا پسند کیا - ۱۳ - (اوپر ذکر کردہ سامراجی قوتوں کی جماعت بہ شکل پروپیگنڈہ، بہ شکل ڈپلومیٹک اطوار، بہ شکل تخریب کارانہ حرکات و دیگر خفیہ وسائل)

اِس وسیع و عریض محاذ کو سامنے رکھیے اور پھر سوچیے کہ پاکستان جس کے ووٹروں کی بھاری اکثریت غیر تعلیم یافتہ، ایک معتدبہ تعداد تعلیم کے باوجود سیاسی شعور اور بین الاقوامی سازشوں سے بے خبر اور جذباتی ہیجانات میں مبتلا اور اچھی خاصی تعلیم یافتہ اور مفاد یافتہ اقلیت، معیار و مفاد کی جنگ میں محو ہوتے ہوئے غیر متوازن سوچ بچار کی مریض، آخر اِن عناصر پر مشتمل معاشرہ کا اُوپر کی بارہ قوتوں کے طویل مشترک محاذ کے مقابلے میں تھوڑے سے زخم کھا کر بڑی حد تک بچ نکلنا حیرت انگیز واقعہ ہے۔

یہ حیرت انگیز واقعہ خدا کی خاص مہربانی کا مظہر ہے اور کسی خفیف درجے میں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں خرابیوں کی کثرت اور خرابیوں کو پیدا کرنے اور پھیلانے والے اسباب کی کثرت کے باوجود ابھی کچھ لوگ محبانِ اسلام و پاکستان ایسے باقی ہیں کہ جنہوں نے قوم کو تباہی سے بچا لیا -

لیکن دوسری طرف پیپلز پارٹی کی تقویت اور موجودہ کامیابی کا باعث بننے والے ایسے اسباب بھی ہیں جن کی ذمہ داری خود محبانِ اسلام و پاکستان کی صفوں پر عاید ہوتی ہے --

---

آیئے ذرا ادھر کا بھی کچھ معائنہ کرلیں۔
پہلی بات یہ کہ قوم اتنے گروہوں میں بٹ گئی کہ کسی سنگل منظم پارٹی (جس میں ہر طرح کی آزادی بھی ہو) کا موثر مقابلہ کرنے کے قابل نہ رہی۔ مسلم لیگ تھی تو اس کے کئی دھڑے بن گئے۔ اصغر خاں صاحب اور نورانی صاحب نے ایک الگ محاذ کھول دیا۔ اسلامی جمہوری اتحاد کے مقابلے میں عوامی اتحاد وجود میں آگیا۔ اہل حدیث گروپ کے دو ٹکڑے ایک دوسرے کے مقابلے پر آگئے۔ جنہیں اپنی جماعتوں کا ٹکٹ نہیں ملا وہ الگ ہوکر آزاد امیدوار بن گئے۔ اور سرے سے آزاد امیدواروں کی تعداد تو خود کسی پارٹی کے امیدواروں سے بھی زیادہ تھی۔

دوسری بات یہ کہ پیپلز پارٹی کے امیدوار کے مقابلے میں آپس میں ووٹ کاٹنے والے تین تین، دس دس اور سولہ سولہ امیدوار کھڑے ہوتے، چند اگر بیٹھے بھی تو اتنے ضرور باقی رہے کہ ایک ہی جانب کے ووٹ کاٹ سکیں۔ یہی صورت ۱۹۷۰ء میں بھی پیپلز پارٹی کی کامیابی کی تھی۔ اور یہی صورت اب بھی ہوئی۔ یہ چار چار اور آٹھ آٹھ کا باہمی مقابلہ اگر نہ ہوتا تو پیپلز پارٹی کے چار چھ آدمی کامیاب ہو سکتے تھے۔

تیسری بات یہ کہ مذہبی گروہوں نے تاریخ کے اسٹیج پر ایسا برا پارٹ پیش کیا ہے کہ ان کے اثرات کے ساتھ خود دین کے اثر میں جو کمی آرہی ہے وہ اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہمارے محترم اکابر پادریوں اور عیسائیوں جیسا کوئی مرکزی ادارہ اور ضابطہ تعاون آج تک وضع نہیں کر سکے۔ ۲۲ نکات پر بزرگوں نے جمع ہوکر جو فضا بنائی تھی، بعد والوں نے اس فضا کو تباہ کر دیا۔
اول تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ہر مدرسہ، انجمن یا مسجد سے متعلق حضرات یا پیری مریدی کے سلسلے انتخابات میں نہ آجاتے، بلکہ اپنا کام کا دائرہ الگ اور مستقل رکھتے۔ بخلاف اس کے جس کے لیے دو یا چار سیٹیں حاصل کرنا ممکن تھا، وہ بھی انتخابی میدان میں نعرہ زن ہوا۔

پھر اگر معرکے میں آنا ہی تھا تو آپس میں مل بیٹھ کر صرف ایک پلیٹ فارم بناتے اور سب اس پر جمع ہوکر کام کرنے کے اصول وضع کرتے۔ مشکل یہ ہے کہ دینی قوتیں عام پرسکون حالات میں اکٹھی نہ ہو سکتی ہوں بلکہ ہر مسجد اور لاؤڈ اسپیکر سے افتراق انگیز باتیں نشر ہوتی ہوں۔ وہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ اقتدار جیسے اہم مفاد کے سلسلے میں مل بیٹھ کر آسانی سے لوگ ترک و اختیار کر سکیں اور اپنے اندر کسی کو بڑا مان سکیں

یا دوسروں کی استعداد کے مطابق ان کا استحقاق تسلیم کر سکیں۔

کیا عجیب مذاقِ دین کے ساتھ ہوا کہ جمعیت علمائے اسلام کا رُخ الگ، جمعیت علمائے پاکستان کا قبلہ الگ، جماعتِ اسلامی کا مقام الگ اور درخواستی گروہ اسلامی اتحاد کے ساتھ بھی اور الگ بھی۔ (کچھ معلوم نہیں کہ آگے چل کر یہ حضرات کیا رُخ اختیار کریں گے) .... اہلِ حدیث الگ بلکہ ان کے دو گروہ باہم متحارب ــ اور سب سے دلچسپ مسلکِ لاتعلق ہمارے تبلیغی برادران کا جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ انتخاب وغیرہ گندے دُنیوی جھمیلے ہیں، ہم ان میں نہیں پڑتے، صرف تبلیغ کریں گے۔ یعنی دُنیا کا انتظام ہمیشہ گندے طریق ہی سے چلتا رہے۔ اور اسے اسلام گریز لوگ ہی چلاتے رہیں۔ لیکن یہ مسلک اس لحاظ سے اچھا ہے کہ کم سے کم کسی دین و وطن کے مفاد کی مخالفت کر کے کسی ضرر رساں گروہ کی حمایت تو نہیں کی۔

دینِ جمہوریت کی دیوی کے پجاریوں کے لیے کشمکش کے ماحول میں انتخابات بڑا میدانِ تدبر اور کبھی میدانِ تکبر ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ:

ــ عوامی طاقت نے بڑے بڑے بُرج اُلٹ دیئے۔

ــ عوامی طاقت نوجوان قوت کو سامنے لے آئی ہے۔

ــ عوامی طاقت نے بالفاظ "بی بی سی" "تنگ نظر" کے فنڈامینٹل ازم کو مسترد کر دیا ہے اور ایک کھلا اور وسیع سا مذہبی تصوّر اپنا لیا ہے۔

ــ کہیں سے آواز آتی ہے کہ ضیاء الحق شہیدؒ کا دور آج ختم ہو گیا۔

یہ آوازیں ۱۶ کی شب سے ۱۷ اور ۱۸ تک بڑے زوروں پر تھیں، مگر ۱۹ کے صوبائی نتائج نے نقشۂ بساط عجیب بدل ڈالا تو بڑے بڑے سیاسی پنڈتوں کے لب و لہجہ میں تبدیلی آگئی۔ بعض شوراشوری کو چھوڑ کر بے نمکی پر آگئے۔ اکثر نے گرم جوشی کو چھوڑ کر ٹھنڈے طریق سے سوچنا شروع کر دیا۔ بی بی سی تک کی ۱۶ والی گھن گرج ۱۹ کو غائب ہو گئی۔ جمہوریت اور رائے عامہ کے متعلق پہلے فلسفے جب ٹوٹے تو توجیہیں کی جانے لگیں اور بڑے عجیب عجیب دانشورانہ نکتے سامنے آئے۔

جمہوریت بڑی اچھی چیز ہے، بشرطیکہ اسے خدا اور رسولؐ کی ہدایت و رضا کا پابند بنایا گیا ہو، ورنہ اگر خدا کی حاکمیت (اور قانون) کے بجائے عملاً عوامی حاکمیت کو بالادستی دے دی جائے تو لیڈر اور عوام سب جمہوریت کی تباہی میں حصہ دار ہوتے ہیں۔

چند قابلِ غور امور عرض ہیں:

سچی جمہوریت ایسے ماحول میں نہیں چل سکتی جہاں دلیل (دوسروں کے لیے دانشِ برہانی اور ہمارے لیے دانشِ ایمانی) پوری طرح مؤثر نہ ہو۔ یہاں دلیل کے بجائے ہر طرف یا تو عقیدتیں اور پرستشیں ہیں۔ یا عصبیتیں اور فرقہ آرائیاں۔

حقیقی جمہوریت وہاں چلتی ہے جہاں پارٹیوں یا لیڈروں کو ان کے علم و کردار اور ان کے پروگراموں کی میزان پر تولا جاتا ہو۔ ہمارے ہاں پورے انتخابات میں نہ شخصیتوں کی جانچ کا رجحان تھا اور نہ کسی نے ان سے پوچھا کہ تمہارے پاس ہمارے لیے پروگرام کیا ہے۔ پروگرام کسی نے بنایا تو یہی کہ ہم آگئے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہارے سارے مصائب ختم۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کیوں اور کس طرح؟ یہاں تو ووٹروں کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ آیا تو بس یہ تھا کہ ہماری گلی میں نلکہ لگوا دو، ہماری سڑک پکی کرا دو، ہمیں بجلی لگوا دو۔ اور بعض جگہ امیدواروں سے کچھ اس طرح کے کام پیشگی بھی کرا لیے گئے۔

ہماری جمہوریت میں ایک تو پروگراموں کی بجائے پوسٹروں اور جھنڈوں کی نمائش اور نعروں اور جلوسوں کے پیچ ہوتے رہے ہیں۔ اور لاکھوں گز کپڑے کو کاغذ کے ساتھ انتخابات کی آگ میں جھونک دیا گیا ہے۔ ستم یہ کہ ان کپڑوں کے پیچھے نقد قیمت دے کر ووٹروں کے سودے کیے گئے ہیں بلکہ اخبارات میں یہ تک آگیا ہے کہ حکومت بنانے کے لیے ایک گروہ ایک، ایک اور دو، دو کروڑ روپیہ دے کر دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملانے پر تیار رہے۔

مجھے ذاتی دائرے میں جو جو اطلاعات ملی ہیں، ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ ہماری جمہوریت کی تشکیل میں کافی دخیل رہا ہے۔

ہر چند کہ بدعنوانیوں کو روکنے اور حفظِ امن کا سامان کرنے کے لیے الیکشن کمیشن نے ظاہری حد تک کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، لیکن پھر بھی بدعنوانیوں کی بعض بہت سی ماہرانہ اور خفیہ اقسام نوٹس

ہیں آئی ہیں۔ اور خصوصاً عورتوں کے پولنگ بوتھ پر ناروا حرکات ہوئی ہیں، نیز ہنگامہ و تصادم کے بھی متعدد واقعات سامنے آئے ہیں۔

اس دن میں بہت محظوظ ہوا جس دن میں نے ایک اخبار نویس دوست کا ایک جملہ بایں معنی پڑھا کہ عوام یا قوم کا سیاسی شعور بہت بلند ہو گیا ہے۔

کیا کہنے ہیں، اس سیاسی شعور کے کہ ووٹر صاحب تو کیا، اُمیدوار صاحب کو داخلی ملک کے مسائل اور بیرونِ ملک کے خطرات اور عالمِ اسلام کے متعلق یا پالیسیوں اور سامراجی قوتوں کے دباؤ کی سمجھ بوجھ نہیں۔

کیا اعلیٰ سیاسی شعور ہے کہ ایک قوم نہایت پیچیدہ حالات میں گھرے ہوئے ملک کو ٹکڑوں ٹکڑوں اور منتشر افراد میں بکھری ہوئی قیادت فراہم کرتی ہے جس کے مختلف ٹکڑے جوڑ کر فرانس کی طرح کچی عارضی اور ادلتی بدلتی حکومتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ ایسی پارچہ پارچہ قیادت میں سے دشمنانِ دین و وطن نہایت آسانی سے اپنے مہرے تلاش کر کے ان کے ذریعے ہمارے کھیل سے اپنی جیت حاصل کر سکتے ہیں۔

کیا شاندار سیاسی شعور ہے کہ کتنی ہی جگہوں سے نہایت بدنام غنڈہ عناصر اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سفینہ کے کھیون ہار بن کر ابھرتے ہیں۔ اور ایسے ایسے عناصر عوام کے محبوب بن کر آئے ہیں جو قتل مقاتلے، ہائی جیکنگ اور تخریب کاری کے مراکز رہے ہیں۔

ایسا سیاسی شعور بھلا اور کس عظمت مآب قوم کو حاصل ہوگا کہ ہمارے عوام نے مغربی طرز کے عیاشی و فحاشی کے تجربات سے خود گزرنے اور اب ان کو اسلامی پاکستان میں پھیلانے والوں کو اپنا سیاسی پیر و مُرشد قرار دیا ہے۔

رسول اللہ کی تعلیمِ برحق کی رُو سے کوئی قوم کسی عورت کی قیادت میں رہ کر فلاح یاب نہیں ہو سکتی، مگر ہمارے لوگوں کا سیاسی شعور اتنا آفاق گیر ہوا ہے کہ اس نے رسول اللہ کی تعلیم کا مقابلہ اپنے ووٹوں سے کر کے اس قوم کے ہر سچے خدا پرست کو ذلیل و شرمسار کر دیا ہے۔

اِس عظیم سیاسی شعور پر قربان جائیے جو جلد جلد بڑھتا ہے، ہنگڑا بازی کے ساتھ بڑھتا ہے، اور پچھلے چند برس ہی سنجیدہ سیاسی فضاؤں کو اس نئے سیاسی شعور نے ہمیشہ کے لیے "بازاری پن" کی

سطح تک پہنچا دیا ہے۔
کون اس اعلیٰ شعور کی داد دے گا کہ کہیں تو سندھ سندھیوں کے لیے کا اٹل کلمہ پڑھا جا رہا ہے اور کہیں پانچویں قومیت کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔
پھر اس سیاسی شعور کی پیدا کردہ بے ضمیری دیکھیے کہ آج ایک گھر کسی پارٹی کا مخالف ہے۔ کل وہ جیت جاتی ہے تو وہ دوسرے جھنڈے اُتار کر اس نئی پارٹی کے جھنڈے لگا لیتا ہے۔ پہلے وہ ایک ذہنیت کے ساتھ کام کرنے کا نقشہ سامنے رکھتا تھا اور اس کی قرابت کسی ایک خاص گروہ سے تھی، لیکن راتوں رات وہ ضمیر کی قیمت وصول کر کے دوسری ذہنیت اور دوسرا نقشہ اختیار کر کے کسی اور جانب تعلق جوڑ لیتا ہے۔
اس سیکولر جمہوریت کی بنیاد میں بڑی کجیاں اور خرابیاں ہیں۔ جب تک انہیں ٹھیک نہ کیا جائے گا، نہ حقیقی جمہوریت یہاں آئے گی، نہ آزادی نمودار ہو گی، نہ سچی خوش حالی پیدا ہو گی، نہ قیامِ امن اور اصلاحِ اخلاق کا کوئی امکان ہے اور نہ ملک کی سالمیت اور دین کی برتری کے راستے کھلیں گے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بے تکی جمہوریت سخت مہلک ہے، انہیں جمہوریت کا نظام ضرور چلانا چاہیے مگر اپنے اُصولوں پر اور بعض اہم اصلاحات کے ساتھ — جن میں سے ایک بڑی اصلاح متناسب نمائندگی اور دوسری بڑی اصلاح ووٹر کا معیار، اُمیدوار کا معیار، وزیروں اور عہدہ داروں کا معیار طے کرنا ہے۔ اور تیسری بڑی اصلاح یہ ہے کہ انتخابات میں اور پارلیمانی عمل میں سے ایسی تمام چیزوں کو نکال دیا جائے جو دین کے خلاف اور اخلاق کے لیے ضرر رساں اور ملکی سالمیت و استحکام کے لیے تباہ کن ہیں۔

اب صرف ایک بحث — اور سب سے اہم — یہ باقی رہ گئی ہے کہ ہمارا پارٹ بہ حیثیت جماعتِ اسلامی کیا رہا؟ ہمارے مورچے پیچھے ہی پیچھے کیوں جا رہے ہیں؟ ہمارا اساسی و توسیعی کام کیسا ہے؟ ہمارے اُصول پسندانہ تشخص کا کیا حال ہے؟ ہمارے دینی، معاملاتی اور اخلاقی رویوں کا درجہ کیا ہے؟ اور پھر ہماری انتخابی اور سٹریٹیجی پالیسی کیسی رہی؟

اصل نتیجہ خیز کام دوسروں کے احوال سے ٹیڑھ دکھانا نہیں۔ اصل کام اپنا کڑا احتساب کرکے اور اپنی خامیوں کا کشادہ دلی سے اعتراف کرکے کام کی نئی نقشہ بندی کرنا اور پھر تلافیٔ مافات کے لیے کمر بستہ ہو جانا ہے۔

یہ گفتگو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں ہوگی اور اُس وقت تک مُلک میں کوئی حکومت بن چکی ہوگی۔

(باقی)

شمارہ نومبر میں ضروری تصحیحات

ص ۱۲۷/۱۵ سطر ۱۴ "تفسیر بالرای کی حکمت" کے بجائے "حرمت"

ص ۱۲۸/۱۶ سطر ۱۱ "کے" بجائے "کی"۔

ص ۱۳۸/۲۶ سطر ۳۔ آیت کا دوسرا حصہ "فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ" بڑھا دیا جائے۔

ص ۱۴۱/۲۹ سطر ۱۸ "یوبیدون وما لهم" میں سے "ما" حذف۔

ص ۱۴۲/۳۰ سطر ۱۷، "نہ تو" کے بجائے "تو نہ" سطر ۲۲، دو جگہ "مارس" کے بجائے "مدراس"۔

ص ۱۴۵/۳۳ حاشیہ "جفاکارانہ" کی جگہ "فداکارانہ"۔

(ادارہ)